مصورِ دلبراں

ڈاکٹر محمد شکیل اوج (ڈی لٹ)

کوئی ایک ہفتہ گزرا ڈاکٹر طاہر مسعود نے گھر آ کر خوشخبری سنائی کہ ان کی کتاب ''کوئے دلبراں'' چھپ کر آ گئی، جو آتے ہی قریبی دوستوں کا تحفہ بن گئی مگر وہ مجھے دینا بھول گئے۔ان کی گفتگو میں تاسف آمیز معذرت تھی جبکہ میری سماعت میں بے تابی، جسے انہوں نے اگلی سانس میں یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ کل میری کتابوں کا ایک نیا پیکٹ آ رہا ہے۔اس میں ایک کتاب آپ کی بھی ہے۔

کتاب ہمیشہ سے میری کمزوری رہی ہے اور اچھی کتاب کمزوری سے کچھ بڑھ کر ہوتی ہے،بس یوں سمجھیئے کہ اچھی کتاب وہ ہوتی ہے جسے پڑھے بنا چارہ نہیں۔ڈاکٹر طاہر مسعود کی کتابیں بھی اسی ذیل میں آتی ہیں۔طاہر مسعود ادب وتحقیق، تعلیم وصحافت اور افسانہ نویسی وکالم نگاری میں ممتاز حیثیت سے کچھ نمایاں ہو کر اردو ادب کی ایسی اُمید بنتے جا رہے ہیں جس کی طرف اوّلین اشارہ معروف صحافی اور صاحبِ اسلوب کالم نگار ابن الحسن نے اپنے دیباچے میں کیا تھا۔ یہ دیباچہ طاہر مسعود کے انٹرویوز کی مقبول کتاب ''یہ صورت گر کچھ خوابوں میں'' شامل ہے۔کوئی چاہے تو اختلاف کرے لیکن میرے نزدیک یہ ''صورت گر'' والی کتاب دنیائے ادب کا شاہکار ہے۔بحیثیت نثر نگار طاہر کا اسلوبِ بیان میرے لئے اپنے اندر بے پناہ کشش اور دلکشی رکھتا ہے۔قبل ازیں بھی میں ان کی بعض کتابیں پڑھ چکا ہوں۔ان میں ایک کتاب تو وہی ہے جس کا میں نے تذکرہ کیا ہے اور جو آج بھی اردو کے ادبی اور نیم ادبی حلقوں میں طاہر مسعود کی پہچان اور ان کے تعارف کا وسیلہ ہے۔ایسا شاہکار جسے اردو ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔طاہر مسعود کا علمی پس منظر، ذوقِ تجسس اور وسعتِ مطالعہ اس میں نمایاں ہے۔اس کتاب کی شہرت کا اندازہ احمد ندیم قاسمی کے ایک خط کے اُس جملے سے لگایئے، جس میں لکھا تھا کہ ''یہ وہی طاہر مسعود صاحب تو نہیں ہیں، جنہوں نے معروف اہلِ قلم کے انٹرویو لینے میں بڑا نام پیدا کیا تھا؟'' (کوئے دلبراں، ص ۱۷، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء)

''کوئے دلبراں'' اس درجے کی تو نہیں تاہم مختلف وقتوں اور نشستوں میں لکھے گئے بعض شخصی خاکوں اور اکثر وفیاتوں پر مشتمل ایک عمدہ اور لائقِ مطالعہ مجموعہ ضرور ہے۔جس میں شخصیات کے تعارف کے ساتھ ساتھ سماجی رویّوں اور سیاسی مسئلوں کی نشاندہی نہایت دلکش اور مؤثر انداز میں کی گئی ہے۔اس طرح کی کتابیں مجھے بے حد پسند آتی ہیں۔پروفیسر رشید

احمد صدیقی کی ''گنجہائے گرانمایہ'' شخصی خاکوں کی پہلی کتاب ہے جو حسنِ اتفاق سے بچپن میں پڑھ لی تھی، اور مجھے بے حد پسند آئی تھی۔ اتنی کہ میں اُسے کئی بار پڑھ چکا ہوں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ تکرارِ مطالعہ کے باوجود کبھی بے مزہ نہ ہوا۔ یہ آج بھی میرے لیئے اتنی ہی پُرکشش اور جاذبِ مطالعہ ہے جتنی میرے بچپن میں تھی۔ ایسی زندہ اور شگفتہ تحریریں مبداء فیض سے بہت کم ادیبوں کے حصے میں آتی ہیں۔ کوئے دلبراں کے وہ خاکے جو ذرا تفصیل سے اور شدتِ احساس میں ڈوب کر لکھے گئے ہیں، بلاشبہ گنجہائے گرانمایہ کی یاد تازہ کراتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ خاکے بھی ادب میں نمایاں مقام پائیں گے۔ اور ہمیشہ دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

یادش بخیر! طاہر مسعود سے میری پہلی ملاقات ۱۹۹۰ء میں ہوئی تھی۔ وہ ڈاکٹر نثار احمد زبیری کے کمرے کے باہر کھڑے سگریٹ کشی کر رہے تھے۔ 1، اور میں اُن سے خود انہی کو دریافت کر رہا تھا۔ اس طلب کو کیا کہوں حسنِ طلب کہوں۔ وہ بڑے تپاک سے ملے۔ میں نے اپنا تعارف کرایا۔ ان دنوں وفاقی گورنمنٹ اردو کالج جو، اب خیر سے یونیورسٹی بن چکا ہے، میں وہاں شعبۂ اسلامیات کا استاد اور ایم۔ اے صحافت کا پرائیویٹ طالب علم تھا۔ اور طریقۂ تحقیق کے ایک پرچے کی تیاری کے لیئے مجھے کسی استاد کی رہنمائی درکار تھی۔ طاہر مسعود نے جب میرا مدعا سنا تو بلا تاخیر زبیری صاحب سے ملوا دیا۔ حالانکہ میری خواہش خود طاہر مسعود سے پڑھنے کی تھی۔ مگر جب انہوں نے بتایا کہ محترم زبیری صاحب اس مضمون کے ماہر استاد مانے جاتے ہیں۔ اور اس مضمون کی تدریس بھی انہی کے ذمّے ہے۔ تو یہ سن کر میں نے سکوت اختیار کر لیا تھا۔

بہ وقتِ ملاقات زبیری صاحب اپنی مشفقانہ توجہ کے ساتھ ہمکلام ہوئے۔ چونکہ طاہر صاحب میرا ضروری تعارف کرا چکے تھے۔ اور جو کمی رہ گئی تھی، وہ میں نے اثنائے گفتگو پوری کر دی تھی تو تقریباً دو گھنٹے کی اس ملاقات میں، میں اپنے ظرف اور صلاحیت کے مطابق جو کچھ سمجھ سکتا یا سیکھ سکتا تھا۔ وہ میں نے ان سے سمجھا اور سیکھا اور زبیری صاحب کے پُروقار اور عالمانہ لب و لہجے کی یاد لے کر اُن سے رخصت ہوا۔ خدا بھلا کرے طاہر مسعود کا کہ جس نے اتنے بڑے استاد سے ملوایا۔ یوں مجھے زبیری صاحب سے یک گونہ شرفِ تلمذ بھی حاصل ہوا۔ مجھے اس نسبت پر آج بھی فخر ہے۔ بہر حال اس طرح طاہر مسعود میرے استاد ہونے سے بال بال بچ گئے۔ آج وہ اس پر اطمینان یا تاسف کا اظہار کرتے ہوں تو مجھے نہیں معلوم۔

طاہر مسعود کو مبداء فیض نے اوائل عمری سے ہی خوب نوازا ہوا ہے۔ عزت اور شہرت کی دیویاں ان پر حد درجہ مہربان ہیں۔ اور ان دونوں دیویوں کو انہوں نے اپنی رواں اور شگفتہ تحریروں سے خوش کر رکھا ہے۔ اس لیئے میں کہہ سکتا ہوں کہ علم و ادب سے وابستہ کون کافر ہوگا کہ جو طاہر مسعود کو نہ جانتا ہوگا۔ خود میں نے یہ نام اپنی اوائل عمری میں ہی سن رکھا

تھا۔ جبکہ میں گوشۂ ادب سے کم اور گوشۂ مذہب سے زیادہ وابستہ تھا اور آج بھی ایسا ہی ہے۔

طاہر مسعود جب پہلی مرتبہ شعبۂ ابلاغ عامہ کے چیئرمین بنے تب وہ پہلی بار میرے گھر کے دروازے تک آئے اور شام کو اپنے شعبے میں اسلامیات لازمی کا پرچہ پڑھانے کا تقرر نامہ دے کر چلے گئے۔ میں نے بہت چاہا کہ وہ کچھ دیر میرے ساتھ بیٹھیں، مگر ان کی گاڑی اسٹارٹ حالت میں تھی، جو ان کی مصروفیت کا مظہر محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں ان کے ساتھ کسی قسم کا اخلاقی جبر ممکن بھی نہ تھا۔ البتہ ان کا خود آ کر تقرر نامہ دینا میرے لیئے ایک خوشگوار امر ضرور تھا۔ اس طرزِ عمل سے میرے دل میں ان کی قدر و منزلت مزید بڑھ گئی تھی۔

مجھے ان سے ملنا، بات کرنا سبھی اچھا لگتا ہے۔ ان کی باتوں میں خلوص، سچائی، محبت، دلی ہمدردی، علم اور حکمت غرض سبھی کچھ تو ہوتا ہے۔ میں انہیں سن کر اور پڑھ کر یکساں محظوظ ہوتا ہوں۔ اتنے صاف اور صاحبِ دل لوگ اب ڈھونڈے نہیں ملتے۔ وہ جو کہتے ہیں، وہی لکھتے ہیں اور جو لکھتے ہیں، وہی کہتے ہیں۔ یہ ان کے سچے اور باکردار ہونے کی دلیل ہے۔ برمحل اور برجستہ فقرے بازی میں انہیں کمال حاصل ہے۔ ان کی برجستہ گوئی سے نہ صرف میں بلکہ میرا بیٹا بھی بہت متاثر ہے۔ وہ جب بھی میرے گھر آتے ہیں تو میرا بیٹا احسان جو خیر سے اب ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے۔ ان سے کہتا ہے کہ انکل! مجھے آپ سے اُردو سیکھنی ہے۔ آپ مجھے بھی اچھی والی اردو سکھا دیں اور اس اچھی والی اردو سے اس کی مراد ڈاکٹر طاہر مسعود کے وہ عمدہ اور پُر معنیٰ فقرے ہوتے ہیں، جو دورانِ گفتگو بغیر کسی تکلف کے ان کی زبان سے نکلتے رہتے ہیں۔ اور ان کی ذہانت اور مطالعہ کی وسعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اچھے فقرے کی ادائیگی کے ساتھ ہی ان کا بھرپور قہقہہ کسی قافیے کا ردیف معلوم ہوتا ہے۔ اور ایسے قہقہہ کے لیئے آدمی کا طاہر مسعود ہونا ضروری ہے۔ جو قہقہہ طاہر مسعود لگاتے ہیں وہ بھی ان کے فقروں کی طرح منفرد ہے۔ ایسے قہقہے کے لیئے، جملہ بھی ویسا ہی کاٹ دار اور جاندار ہونا چاہیئے ورنہ قہقہہ بے جان ہو جائے گا حالات کے جبر اور معاشرتی گھٹن میں آئندہ بھی ہم ان سے ایسے ہی بھرپور قہقہوں کی اُمید رکھتے ہیں کہ ان سے دل کی پژمردگی دور ہوتی ہے۔

کوئی بھی تصویر جہاں اپنے مصور کے فنِ تصویر کشی کی مہارت کا اظہار کرتی ہے وہیں وہ مصور کے اندر چھپے ہوئے گہرے احساسات، جذبات اور خیالات کی ترجمانی بھی کرتی ہے۔ اسی لیئے کسی تصویر میں الجھے ہوئے گیسو یا شکن آلود جبیں یا آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے ہم مصوّر کے اندر کے چھپے ہوئے احساسِ کرب کو محسوس کر سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح شخصی یا وفیاتی خاکے بھی دراصل خاکہ نگار کی بنائی ہوئی وہ لفظی تصویریں ہوتی ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ بے جان تصویروں میں جان ڈالتا ہے۔ انہیں متحرک کرتا ہے۔ گونگی تصویروں کو زبان دیتا ہے بہرے کانوں کو سماعت بخشتا ہے۔ خاموش قد بُت اور لب و رخسار کو حیاتِ نو عطا کرتا ہے۔ غرض وہ ان شخصیتوں کو اپنے

لفظوں کے محاکات (Images) کے ذریعے دوبارہ جنم دیتا ہے، اور ہمارے سامنے زندہ حالت میں لا کھڑا کرتا ہے۔ جنہیں بسا اوقات ہم نے دیکھا بھی نہیں ہوتا۔ اور دیکھا ہوتا ہے تو اس طرح نہیں جس طرح خاکہ نگار اپنی جزئیات نگاری کے ذریعے انہیں ہمیں دکھاتا ہے وہ اپنے مکالموں میں ہمیں شریک کرتا ہے۔ اپنے ممدوح کے شب و روز کو آئینہ کرتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنے خاکوں میں تہذیبی مسائل کی نشاندہی نیز ان کے عوامل اور اسباب بھی بتاتا ہے۔ وہ اپنے خاکوں میں صاحبِ خاکہ کے معاشرتی، سیاسی، سماجی، علمی، ادبی یا تہذیبی مقام و مرتبے کا تعین بھی کرتا ہے۔

ہاں! طاہر مسعود ایک ایسا ہی خاکہ نگار مصورر ہے جس نے اپنے رواں، شُستہ اور سیّال قلم سے بہت سے جانے انجانے لوگوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ ان تصویروں میں اُس کے اپنے گہرے احساسات، مشاہدات، تجربات، مطالعات اور فکریات نہایت واضح اور روشن ہیں۔ وہ ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواہ سے بے نیاز کسی بھی شخصیت کے حسن و قبح بتانے سے نہ گھبراتا ہے، نہ شرماتا ہے۔ وہ بیانِ حقائق سے گریز نہیں کرتا۔ وہ بہادر مصور ہے جو سچائی کو پینٹ کرتا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی تصویروں میں اگر کوئی تصویر اچھی نہیں ہے تو یقین مانیئے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ تصویر ویسی ہی تھی، جیسی پینٹ ہوئی۔ وہ خراب تصویر کو اچھا نہیں کرسکتا۔ یہ اس کی مجبوری ہے۔ کیونکہ وہ جنوں کو خرد کہنے والا مصور ہرگز نہیں۔ یہ ہمارے سماجی ادب کا وہ لفظیاتی مصور ہے، جس سے تصویر بنوانے کی خواہش وہی کرسکتا ہے۔ جو آئینہ دیکھ کر، آئینہ کو بُرا نہ کہتا ہو۔ بے شک وہ ''کوچۂ دلبراں'' کا مصوّرِ دلبراں ہے۔!

(یہ تعارف و تبصرہ یا خاکہ ڈاکٹر طاہر مسعود کی کتاب 'کوئے دلبراں' کی تقریبِ تعارف کے موقع پر جامعہ کراچی کے آرٹس آڈیٹوریم میں پڑھا گیا۔ جس کی صدارت شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد قیصر نے فرمائی تھی)